قومی زبان

اور

علاقائی زبانوں کا رشتہ

پروفیسر جیلانی کامران

مقتدرہ قومی زبان ۔ اسلام آباد

۱۹۸۵ء

قومی زبان

اور

علاقائی زبانوں کا رشتہ

عرضِ ناشر

اُردو اور پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں میں اشتراکِ عمل کی حدود کا جائزہ لینا مقتدرہ کے مقاصد کا ایک اہم حصّہ ہے۔ چنانچہ اِس کے پیشِ نظر مختلف نقطہ ہائے نظر کی اشاعت کی جا رہی ہے۔ پروفیسر جیلانی کامران نے اس مضمون میں مغربی ممالک کی قومی اور علاقائی زبانوں کے روابط کے حوالے سے اُردو کی موجودہ اور آئندہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک اہم موضوع ہے اور مصنّف نے اس پر اپنے نقطۂ نظر کو واضح اور جامع انداز میں پیش کر دیا ہے۔ مقتدرہ قومی زبان اس موضوع پر دیگر نگارشات کا منتظر ہے۔

قوموں کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ جہاں کہیں قوموں کی تاریخ فطری اور قدرتی طور پر ظہور پذیر ہوئی ہے وہاں اُن کی ایک اور واحد زبان بھی رونما ہوئی ہے، جسے قوموں نے اپنی قومی زبان سے موسوم کیا ہے۔ اور جہاں کہیں قوم کا تصور (اور اسکی جدید اصطلاح) ظاہر ہوئی ہے یہ صورت بھی سامنے آئی ہے کہ قوم کا تصور علاقائی گروہوں کے مجموعے سے مرتب ہوا ہے، اور یہ بات بھی دکھائی دی ہے کہ علاقائی گروہوں کے منطقوں میں علاقائی زبانیں بھی مستعمل ہیں اور ان کی بول چال کا ذریعہ ہیں۔ اس ضمن میں یہ کیفیت بھی قابلِ غور ہے کہ علاقائی زبانیں اپنے علاقے کے باہر کارگر ثابت نہیں ہوتیں۔ اور اس اعتبار سے ان کا کردار مقامی اور علاقائی زبان کے دائرۂ اثر اور دائرۂ کار کا حجم ہر لحاظ سے اہم اور قابلِ توجہ ہے تاہم اُن کی لسانی اور لفظی قوت محدود ہوتی ہے۔ ان حالات میں قومی زبان رابطے کی زبان بنتی ہے اور علاقے کو قوم کے ساتھ منسلک کرتی ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ہم بخوبی آشنا ہیں!

قومی زبان کا ذکر کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی برابر غور طلب ہے کہ قومی زبان نہ صرف علاقائی رابطے کی زبان ہوتی ہے بلکہ اس کی صلاحیت میں ایسے امکانات بھی برابر موجود ہوتے ہیں جو اُسے بین الاقوامی مقام تفویض کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے قومی زبان اپنے کردار اور اپنی تاریخ کی بنا پر بین الاقوامی زبان ہوتی ہے، اور اس کا دائرہ اثر وسیع تر ہوتا ہے۔ اسے جاننے اور سمجھنے والوں کی تعداد، اس کے ادب کی بین الاقوامی شناخت، اس کے الفاظ کی تعداد اور اسکے علمی اور فکری ذخائر، نئے علوم کے ساتھ اس کی قائم ہوتی ہوئی رشتہ بندیاں اور اس کی صلاحیت کے معروضی امکانات ایسے بنیادی عناصر ہیں جو قومی زبان کو علاقائی زبانوں پر فوقیت

دیتے ہیں۔ قومی زبان کے ضمن میں اِس کا مادری زبان ہونا شاید اتنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ گھرانے عموماً ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جو معیاری قومی زبان کے مطابق نہیں ہوتی۔ گھرانے کی زبان میں اور قومی زبان میں عموماً فرق ہوتا ہے۔ قومی زبان اسکول کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور یہ سچائی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ قومی زبان مدرسے کے ساتھ کلچر میں وارد ہوتی ہے اور یہ کہ قومی زبان کا اپنے کلچر کے ساتھ تاریخی رشتہ ہوتا ہے۔

قومی زبان اور علاقائی زبانوں کے رشتے کی وضاحت کے لیے انگریزی زبان کی تاریخ کا سرسری ذکر بھی ضروری ہے کیونکہ جزائر برطانیہ میں بھی علاقائی زبانوں کی کمی نہیں ہے۔ اور برطانیہ کی تاریخ بھی ایسی ہے جس کی نشوونما میں فطری اور قدرتی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ انگریزی زبان دراصل شہر لندن کی مقامی بولی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور قرونِ وسطیٰ (۱۱۰۰-۱۴۰۰ء) کے دوران اور انجو بادشاہوں کے عہد میں انگلستان کئی ایک مقامی زبانوں میں منقسم تھا، جن کے الفاظ اور معنی بھی ایک دوسرے سے بے حد مختلف تھے۔ نسلی اعتبار سے بھی انگلستان میں مختلف نسل کے لوگ آباد تھے۔ ایسے لسانی اور نسلی حدود اربعے میں لندن شہر کی مقامی زبان نے قومی زبان کی ارتقائی منازل طے کیں اور سولہویں صدی میں انگریزی زبان کی صورت میں رونما ہوئی۔ قرونِ وسطیٰ کے دوران اُس زمانے کی شاعری کے اوزان اینگلو سیکسن شاعری سے ماخوذ تھے، اور خود انگریزی زبان کا لسانی سٹرکچر جرمن زبانوں کا سا تھا۔ جس انگریزی شاعری سے ہم آشنا ہیں وہ اپنے ابتدائی دور میں فرانس سے نارمن بادشاہوں کی سرپرستی میں (نارمن بادشاہ انگلستان پر ۱۰۶۶ء میں حملہ آور ہوئے۔ اور پھر انگلستان کی تاریخ کا حصہ بن گئے) درآمد کی گئی تھی۔ اس شاعری کے اوزان، اس کا علم العروض، موضوعات، الفاظ، تراکیب، لہجے اور کردار فرانسیسی روایت سے مستعار لیے گئے تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہی ادب اور یہی زبان، آنے والی صدیوں میں انگریزی قوم کا ادب اور جزائر برطانیہ کی قومی زبان کہلائی۔ اور برطانیہ کی ادبی اور لسانی روایت ان دونوں پر برابر فخر کرتی ہے۔

انگریزی زبان کے ارتقا اور اس کے قومی زبان بننے کی روداد اس اعتبار سے قابلِ غور ہے کہ اس کی ابتدا مقامی زبانوں کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اور دوسری مقامی زبانوں کے مقابل

اس زبان کی ترقی میں وہ تمام تاریخی عوامل بروئے کار آئے تھے جو قومی زبانوں کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، انگلستان کی مقامی زبانیں انگلستان کے مختلف علاقوں میں اب بھی سنائی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ جزائر برطانیہ میں انگلستان کی مقامی بولیوں کے علاوہ ایسی زبانیں بھی برابر موجود رہی ہیں اور برابر موجود ہیں جو سکاٹ لینڈ، ویلز، شمالی سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کی اپنی جداگانہ تاریخ بھی ہے، لسانی روایت بھی ہے اور علاقائی کلچر بھی ہے۔ ان زبانوں کے حوالے سے ان مختلف علاقوں کا شعری ادب بھی برابر موجود ہے، اور ان زبانوں کے ذریعے تخلیقی عمل برابر جاری بھی ہے۔ اس صورت حال کے باوجود انگریزی زبان کا درجہ قومی زبان کا ہے اور دنیا بھر میں یہی زبان تحصیلِ علم اور دریافت و تحقیق اور امورِ خارجہ کی زبان بھی ہے۔ دوسری تمام زبانیں ایسے کاروبار سے ناآشنا ہیں۔ اور ان زبانوں کے بولنے والے انگریزی ہی کو مادری زبان قرار دیتے ہیں حالانکہ گھروں میں وہ گالیک ولش یا سکاٹش بولتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں لمبے عرصے تک جنگ ہوتی رہی تھی۔ اہلِ ویلز بھی انگریزوں کے خلاف تھے اور آئرلینڈ کی صورت حال اب بھی سیاسی اور فوجی اعتبار سے نارمل نہیں ہے۔

ایسے لسانی ماحول میں جہاں انگریزی زبان کا مقام قومی اور مرکزی ہے۔ اور یہ زبان تاریخی تشخص کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ علمی طور پر حل کیا گیا ہے۔ انگریزی ادبیات کی تدریس میں یونیورسٹی کی سطح پر علاقے کے زبان و ادب کا مطالعہ بطور پس منظر کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح انگریزی زبان اور علاقے کی زبان کے مابین اشتراک اور فرق کو لسانی طور پر شناخت کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں ہر بڑی یونیورسٹی میں علاقائی زبانوں کا شعبہ بھی قائم ہے، جو قومی زبان کے شعبے کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ اور قومی زبان کے ساتھ ساتھ طلبہ علاقائی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان بھی پڑھتے ہیں، تاکہ برطانیہ کے لسانی کلچر کا ادراک حاصل ہو، اور زبانوں کی سطح پر غیریت پیدا نہ ہو۔ انگریزی جزائر برطانیہ کی قومی زبان ہے، لیکن برطانیہ کے باشندے گھروں میں مقامی زبان ہی بولتے ہیں۔ انگریزی زبان مدرسے کے ذریعے ہی ان تک پہنچتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمدن کے جس معیار پر برطانیہ کے باشندے

اسس وقت میں، وہاں گھرانے کی زبان بھی قومی زبان کے زیر اثر بہت حد تک سلجھی ہوئی زبان ہے، بولیوں اور لہجوں کی کثرت برطانیہ کے لسانی منظر میں بخوبی دکھائی دیتی ہے۔

انگریزی زبان کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اسس زبان کی لسانی تاریخ ہماری قومی زبان کی تاریخ سے مشابہت رکھتی ہے اور کچھ ایسے ہی عمل کی نشاندہی کرتی ہے جیسا تمدنی اور لسانی عمل اسلامی ہندوستان کے زمانے میں رونما ہوا تھا اور اردو زبان کی تشکیل ہوئی تھی۔

انگریزی زبان کا ذکر اسس لیے بھی ضروری ہے کہ اس زبان کے ذریعے انگریزوں نے اور اہلِ برطانیہ نے اپنی وحدت کو برقرار رکھا ہے اور دنیا کے نقشے پر انگریزی بولنے والی اقوام تمدنی اور تاریخی اعتبار سے ایک واضح اور منفرد اکائی کے طور پر اپنا تشخص قائم کرتی ہیں۔ نسلی لحاظ سے امریکہ خالص اینگلوسیکسن نہیں ہے، اور کینیڈا یا نیوزی لینڈ کے آبادکار ہی نسل کے اعتبار سے اینگلوسیکسن ہیں، لیکن ایک قومی زبان کے ذریعے انہوں نے ایک تمدنی وحدت کو تاریخی وجود فراہم کیا ہے اور اس حوالے سے اپنی شناخت مرتب کی ہے۔ کلچر اور تاریخ کے اشتراک نے انگریزی کو ایک قومی زبان کا مقام دیا ہے، اور جغرافیے اور سیاست نے اسے بین الاقوامی شہرت دی ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ایسے محرکات کیا ہیں جو غیر اینگلوسیکسن قوموں کو بھی انگریزی زبان کے قومی تشخص میں شامل کرتے ہیں۔ مثلاً سکاٹ لینڈ کے لوگ قومی / بین الاقوامی سطح پر انگریزی ہی کو قومی زبان تسلیم کرتے ہیں۔ اس رویے کو ہم قومی کردار ہی کے زمرے میں شامل کریں گے۔ زبان کا مسئلہ دراصل افراد کے ذہنی اور اخلاقی کردار سے تعلق رکھتا ہے، اور کثرتوں کی دنیا میں وحدت کی نشاندہی کرتا ہے۔

زبانوں کی نشوونما اور ارتقاء کو سمجھنے سے جہاں یہ علم ہوتا ہے کہ زبانیں کلچر کے لسانی لینڈ سکیپ کو ظاہر کرتی ہیں، اور ایک خوبصورت منظر کو نمایاں کرتی ہیں، وہاں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ کیوں ایک زبان دوسری زبانوں سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ زبانیں بھی درختوں کی طرح اپنے جغرافیے میں اُگتی اور بلند قامت ہوتی ہیں، اور درختوں کی دنیا میں بھی کم و بیش چھوٹے اور بڑے درخت ہوتے ہیں۔ درختوں کے ضمن میں ہم ایسے فرق کو فطری اصول کہہ کر نباتات کے منظر کی وضاحت کرتے ہیں لیکن زبانوں کے ضمن میں ہم فطری اصول کی بہت کم پیروی

کرتے ہیں۔ کوئی زبان از خود قومی زبان نہیں بنتی بلکہ جغرافیے اور تاریخ کی نشوونما سے کسی زبان کو ایسا مقام حاصل ہوتا ہے اگر لندن شہر برطانیہ کا دارالخلافہ نہ ہوتا تو لندن زبان قومی مرتبہ حاصل نہ کر سکتی اسی طرح اُردو کو اسلامی ہندوستان میں وہ مقام حاصل نہ ہوتا اگر دِلّی، لکھنؤ حیدر آباد تہذیبی مرکز نہ ہوتے، اور بعد ازاں برطانوی ہند میں اُردو اپنے رسم الخط اور اپنی تاریخ کے باعث اسلامیانِ ہند کی مِلّی زبان نہ ہوتی۔ اُردو اس اعتبار سے آزادی سے قبل، اسلامیانِ برصغیر کی مِلّی زبان ہے، اور اس وقت بھی اس کا مِلّی تشخص برابر موجود ہے۔ کوئی بھی دوسری علاقائی زبان مِلّی زبان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی یہاں تک کہ بنگالی بھی اس بڑے پس منظر میں علاقائی زبان ہی نظر آتی ہے۔ اس کیفیت کو صرف زبان کی باطنی صلاحیت ہی واضح کر سکتی ہے۔ اُردو اس لحاظ سے مِلّی زبان ہے، اور مِلّی زبان ہونے کی رعایت سے قومی زبان ہے۔

جب کبھی علاقائی زبانوں اور قومی زبان کے رشتے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو اہلِ خرد عموماً قومی زبان (اُردو) کا تاریخی کردار فراموش کر دیتے ہیں، اور مادری زبان کے تصوّر کو اپنے مباحث میں شامل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مادری زبان کا تصور ایک محدود تصوّر ہے اور مادری زبان سے قومی زبان بہت کم رونما ہوئی ہے، اور یہ شاید اس لیے ہو رہا ہے کہ مادری زبان بنیادی طور پر محسوسات اور سیدھے سادے معلوم افکار و اشیاء کو بیان کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ مادری زبان سے اشیاء کی شناخت تو ممکن ہے، اشیاء کی معرفت اور دریافت ممکن نہیں ہوتی۔ اس لیے جب علاقائی زبانوں کا ذکر ہوتا ہے، تو زیادہ سے زیادہ ایسے علم تک رسائی ہوتی ہے جو لوک کلچر سے تعلق رکھتا ہے، علاقائی زبانوں کا اُفق اس لحاظ سے زبان بولنے والے افراد کے اُفق سے زیادہ بڑا نہیں ہوتا اور قدامت پسندی اور قدامت پرستی ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ علاقائی زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں ایسے رویّوں کو بیان کر سکے کے الفاظ دکھائی نہیں دیتے جو انسان کو ایک تیز رفتار اور بدلتی ہوئی دُنیا سے آشنا کرتے ہوں۔ علاقائی زبانوں کا مافی الضمیر ایک دوسرے اعتبار سے (تصوف / اخلاقیات) بے حد قیمتی ضرور ہے لیکن انسان کے اُن رویّوں سے بہت کم تعلق رکھتا ہے جو انسان کو شناختِ ذات اور آزادیٔ ذات سے بہرہ مند کرتے ہیں۔ رویّوں کے حوالے سے علاقائی زبانوں کے تمدنی معیار کا تجزیہ علم ہو سکتا ہے۔ علاقائی زبانوں کی

تحریک اپنی سوشیالوجی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے انسانوں کو حصار بند ہونے کی ترغیب دیتی ہے اور انسانی آزادی کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اگر اس مقامِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا قومی زبان (اُردو) اپنے فکری ذخائر اور اپنے تاریخی تجربے کے باعث علاقائی زبانوں کی آبیاری کے لیے بے حد ضروری ہے، اور اس وقت ایسا رشتہ قائم بھی ہو چکا ہے۔ علاقائی زبانیں قومی زبان کے ساتھ برابر ہمکلام ہیں اور اُن کے تجربے کی سطح میں بھی اضافے ہوئے ہیں، لیکن یہ عمل صرف یکطرفہ عمل نہیں ہے۔ اُردو بھی علاقائی زبانوں کے مافی الضمیر سے متاثر ہو رہی ہے، اور اس طرح دونوں طرف ایک ایسا عمل کارفرما ہے جو زبانوں کی تشکیل و ترقی کا سبب بنتا ہے۔ تاہم اس ضمن میں یاد رکھنا ضروری ہے کہ علاقائی زبانیں ایک ایسے زمانے کی نشاندہی بھی کرتی ہیں جب سفر آسان نہ تھا اور معاشرہ جامد تھا اور زبانوں کو پھولنے اور پھیلنے کا زیادہ موقع نہیں ملتا تھا۔ اس پس منظر میں قومی زبان کی افادیت اور زیادہ واضح اور قبولِ خاطر دکھائی دیتی ہے۔ اُردو علاقے کی تاریخ کو ملت کی تاریخ کے ساتھ منسلک کرتی ہے۔ اور اس طرح فرد کو ایک وسیع تر ماحول سے آشنا کرتی ہے۔ یہ کام عموماً ایسی زبانوں ہی کی ذمہ داری رہا ہے جو قومی زبان کہلاتی ہیں۔ اُردو زبان کے ساتھ ہم نہ صرف اپنے ملی ورثے سے آشنا ہوتے ہیں بلکہ عصرِ حاضر میں اس کے بین الاقوامی مرتبے کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

زبانوں کے اس رشتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا باہمی رشتہ بے حد ضروری اور بنیادی ہے۔ اس رشتے کی مدد سے اور لسانی طور پر قومی زبان، علاقائی زبانوں کے محل وقوع میں آباد ہوتی ہے اور علاقائی زبانیں قومی زبان کے اُفق پر اپنا مزاج تلاش کرتی ہیں۔ علاقہ اپنی زبان کے وسیلے سے قوم میں جذب ہوتا ہے اور قوم علاقے کے ساتھ اپنا رابطہ مستحکم کرتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ رشتہ وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تاہم اگر اس رشتے کو تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ بات بخوبی نظر آتی ہے کہ علاقائی زبانیں اُردو زبان کی پیش رو بھی ہیں اور اردو کا ان کے ساتھ آبائی اور ابتدائی رشتہ بھی ہے۔ لسانی سطح پر اس ضمن میں کام کی ابتدا ہو چکی ہے

ہفت زبانی لغت" اور دیگر لسانی مطالعات کے ذریعے علاقائی زبانوں اور اُردو کے الفاظ کا تقابلی جائزہ دستیاب ہے۔ تاہم اس تاریخی صداقت کی باقاعدہ وضاحت کے بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس لیے اگر اُردو زبان کے مطالعے میں علاقائی زبانوں کے کردار کو بھی شامل کیا جائے تو زبانوں کے مابین رشتے کو قومی مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ علاقائی زبانوں کی ترقی کے لیے اکیڈمیاں اور بورڈ تو قائم کیے گئے ہیں۔ لیکن ان کو قومی مقاصد کے ساتھ بہت کم منسلک کیا گیا ہے۔ اس لیے علاقائی زبانیں غیر تاریخی طور پر ظاہر ہو رہی ہیں اور کثرت در وحدت کا تصور پوری طرح آشکار نہیں ہو رہا۔ اس سلسلے میں اگر علاقائی زبانوں کے بورڈ، علاقائی زبانوں کو قومی زبانوں کے ارتقا کے مطالعے کے طور پر زیرِ غور رکھیں اور علاقائی زبانوں کا برصغیر کی اجتماعی مسلم تاریخ کے پس منظر میں مطالعہ کریں اور طبعی حالات کو علاقائی زبانوں کے الگ تھلگ ہونے کی اصل وجہ قرار دیں۔ تو علاقائی زبانوں اور قومی زبان کے مابین تاریخی رشتہ مزید پائیدار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ہر صوبے کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں (کالج / یونیورسٹی) میں علاقائی زبانوں کا شعبہ قائم کر دیا جائے اور اس امر کی پابندی روا رکھی جائے کہ کسی ایک صوبے کے طلبہ صرف دوسرے صوبے ہی کی علاقائی زبان کا مطالعہ کر سکتے ہیں، تو علاقائی زبانوں کا لسانی کلچر متحرک صورت اختیار کر لے گا۔ اور قومی زبان کے ساتھ ایک نیا تعلق قائم کرے گا یوں قومی اور علاقائی زبانوں کی صورتِ حال ایک زیادہ وسیع مقصد کو حاصل کر سکے گی، اور لسانی اعتبار سے وہ قومی مقاصد بھی حاصل ہوں گے جو قومی زبان پورا کرتی ہے۔ "کثرتوں کو اپنے طور پر نشو و نما پانے اور پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرنے سے کثرتیں ہی پیدا ہوتی ہیں، وحدت پیدا نہیں ہوتی۔" وحدت در کثرت" کے تصور کی کامیابی کے لیے قومی زبان اور علاقائی زبانوں کے مابین علمی اور تدریسی رشتے قائم کرنا بے حد ضروری ہیں۔

پمفلٹ نمبر ۱۴